Al-Azhār

ISSN (Print): 2519-6707

Volume 7, Issue 2(July- December, 2021)

Issue:http: http://www.al-azhaar.org/index.php/alazhar/issue/view/17

URL: http://www.al-azhaar.org/index.php/alazhar/article/view/263

Article DOI: https://doi.org/10.46896/alazhr.v7i02.263

Title Riyasat-e-Madinah & and our Electronic Media

Author (s): Samina Anjum ,Dr.Sajila Kausar Dr.Shakeela Kousar

Received on: 29 July, 2021

Accepted on: 29 November, 2021

Published on: 25 December, 2021

Citation: Samina Anjum ,Dr.Sajila kousar, Dr.Shakeela Kousar, "A Review of the Riyasat-e-Madinah & and our Electronic Media,Al-Azhār: 7 no, 2 (2021): 262-285

Publisher: The University of Agriculture Peshawar

Click here for more

ریاستِ مدینہ اور ہماراالیکٹرانک میڈیا

Riyasat-e-Madinah & and our Electronic Media

*ثمینہ انجم
**ڈاکٹر سحیلہ کوثر
***ڈاکٹر شکیلہ کوثر

.Abstract

Media, in any nation is always considered Protector of its ideology, representative of its culture and developer of its values. So, in our motherland this power should be used to solve problems, to inculcate positive thinking in the society, to create awareness and to promote love for Islamic values and traditions. The Issues in our society such as inferiority complex, religious hatred, terrorism and sectarianism can be largely overcome in the Islamic society through the media. Similarly, the media, being a pillar of the state, should be the guarantor to strengthen the ideology of the state. The media of all the developed countries of the world are based on the ideology of their state. The media has no separate rules of its own, nor is it so liberal to stand up against the ideologies that are the foundation of this state in an ideological country. And fight in the field of civilization. Pakistan is not only an ideological state but also the only Muslim nuclear power of the present era; here the question arises as to whether an ideological state like Pakistan, which we want to see established in the style of the state of Madinah, is protecting its ideologies and high values. Are our TV programs, dramas and other entertainment programs promoting our cultural, social and religious values or not? The goal of an Islamic state can only be achieved when all its resources, including the media, are working towards this goal.

……………………………………

*پی ایچ ڈی اسکالر، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
*** لیکچرر، شعبہ IBMAS، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

اسلامی ریاست کا مقصد

مغربی تصور معاشرت کے مطابق انسان ایک ایسا معاشرتی جانور ہے جس کا مسئلہ اخلاقیات سے عاری معاش (پیٹ) ہے اس فلسفہ حیات کے تحت وہ اپنے ہی جیسے دیگر انسانوں کی فکر سے بے نیاز ہو کر صرف اپنا پیٹ بھرنے میں لگا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے سرمایہ دار مغربی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ مغربی ممالک کی یہی سوچ انہیں کمزور ممالک کے استحصال پر اکساتی ہے تو عالمی امن بھی مفقود ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ ریاستی دہشت گردی وجود میں آجاتی ہے اس سب کے برعکس اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان سماجی سے زیادہ ایک ایسا اخلاقی جانور ہے جو اپنے سے زیادہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے لئے جیتا ہے مسلم سوسائٹی کا یہ اصول قران کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ [1]

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔"

قرآن کریم کے بیان کردہ اس معاشرتی اصول کی جزئیات یہ ہیں کہ مسلمان اپنے سے زیادہ دوسرے انسانوں کے معاشی، معاشرتی، قانونی، اخلاقی حقوق کا تحفظ کرے گا جن میں معاشی حقوق کو اولین ترجیح حاصل ہے مسلمانوں کی پوری تاریخ کا اگر تقابلی مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ ہر دور کا مسلم معاشرہ انہی بنیادی اصولوں پر رواں دواں تھا تحفظِ حقوقِ انسانی نے جن میں معاش کو اہمیت حاصل تھی، ہمیشہ حسنِ معاشرت کا ماحول پیدا کیا جو کہ اسلامی ریاست کا بنیادی مقصد ہے۔ انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے ایک نظامِ عدل کی ضرورت بھی تھی جو صرف الہامی اصولوں پر قائم حکومت یا ریاست ہی کی صورت میں نافذ کیا جا سکتا تھا اس لئے سٹیٹ کے وجود اور نظام عدل کے قیام کا اہتمام اسطرح فرمایا کہ اس کے لئے نبوت کا عظیم الشان ادارہ قائم کیا قرآن مجید میں انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد ہی قیامِ عدل بیان کیا گیا:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ [2]

"ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایت کیساتھ بھیجا اور انکے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔"

اور آخری نبی ﷺ پر جب سلسلۂ نبوت کا اختتام فرمایا تو آنجناب ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کے بارے میں ارشاد فرمایا
:

هو الذى ارسل رسوله بالهدىٰ و دين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون[3]

"وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا تا کہ اسے عام ادیان پر غالب کر دے خواہ یہ مشرکین پر ناگوار ہی گزرے۔"

الہامی اسلامی اصولوں کی بنیاد پر قائم ہونے والی ریاست (ریاستِ مدینہ) کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی معاشرے میں ایسی قوتیں بھی پیدا ہو گئی تھیں جو اسلامی ریاست کے وجود کو کسی طور پر بھی تسلیم کرنے کو تیار نہ تھیں اس طرح پورا عالمِ انسانیت دو گروہوں، عالمِ اسلام اور عالمِ کفر میں بٹ گیا یہ ریاست کے وجود کا ایک منطقی نتیجہ تھا اور تا حال ہے۔ بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ اور اس نظام عدل کے نفاذ کی راہ میں خطرہ وہ عالمِ کفر ہے جو کائنات کے پیدا کرنے والے کے قوانین کو اس کی مخلوق پر نافذ کرنے میں ہمیشہ رکاوٹ بنا رہا ہے اور تا حال بنا ہوا ہے۔ جن کا مقصد انسانوں کے حقوق کی بجائے اپنے سفلی مفادات کا تحفظ کرنا ہوتا ہے اس لئے اس بات کا بھی اہتمام کیا گیا کہ انسانی حقوق کے تحفظ کے اس ادارے کے زیر سایہ ہر فکر و فلسفے کے لوگ ایک محفوظ زندگی تو گزاریں لیکن اس انسان دوست ادارے کو چیلنج کرنے والی کوئی طاقت نہ ہو، غیر انسانی طاقتیں تو موجود ہوں لیکن اس الہامی نظام کو چیلنج کرنے کی طاقت نہ رکھیں اس کا حکم قرآن مجید میں تین جگہ آیا ہے:(9/3۔48/28۔اور 9/61)اس لئے اس پورے نظام سیاست و معیشت کا حاکم اعلیٰ خود خالقِ کائنات ہے جس نے اسلامی ریاست کی نوعیت واضح فرماتے ہوئے صاف اعلان کیا کہ حاکمِ اعلیٰ اور حاکم مطلق صرف اللہ کی ذات بابرکات ہے۔

اِنِ الحكم الا لله امر الا تعبدو الا اياه ذالک الدين القيم [4]

"حکم سوائے اللہ کے کسی اور کا نہیں ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو یہی صحیح دین ہے۔"

اس طرح اسلامی ریاست اپنے مدعا اور مقصد کے لحاظ سے الہامی نظریے پر قائم کی گئی تھی۔ یعنی کوئی شخص خاندان یا طبقہ بلکہ ریاست کی ساری آبادی ملکر بھی کسی حاکمیت کی مالک نہیں ہے۔ حاکم صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے۔

پھر اس اسلامی ریاست میں قانون سازی سے متعلق فرمایا:

يقولون هل لنا من الامر من شی قل ان الامر كله لله[5]۔

"وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے۔ کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ساتھ ہیں"۔

یعنی سارے مسلمان ملکر بھی نہ اپنے لیے کوئی قانون بنا سکتے ہیں اور نہ خدا کے بنائے ہوئے قانون میں ترمیم کر سکتے ہیں۔ اللہ کی زمین پر اللہ کا بنایا ہوا عادلانہ نظام قائم کرنے کے لیے طریقہ کار بھی اسی رحمن ورحیم نے بتایا ہے۔

الذين ان مكنهم فى الارض اقاموا الصلوة و اتو الزكوة و امرو بالمعروف و نهو عن المنكر والله عاقبة الامور [6]

"وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کرینگے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ اور سب کاموں کا انجام خدا کے اختیار میں ہے۔"

اس ذمہ داری کو نبھانے کے لئے تمام انبیائے کرام نے اپنے اپنے معاشروں میں حسنِ تدابیر اور اصلاحِ معاشرہ کی غرض سے اصلاحی سیاست کی مثالیں قائم کیں۔ آنجناب ﷺ کی حیات مبارکہ کا بھی کوئی بھی اجتماعی عمل، اصلاح معاشرہ اور امت کی سیاسی تدبیر و مفاد سے خالی نہیں تھا آپ ﷺ کی سیاست خالص الہی اور تعمیری فکر کی حامل تھی جو فی الواقع وحی الہی کے تابع تھی۔ آپ ﷺ کی اسی اصلاحی روش کو خلافتِ راشدہ میں بھی پروان چڑھایا جاتا رہا جہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور لوگوں کی اخلاقی و نظریاتی تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔

ریاست اور نظریہ ریاست:

ہر ریاست اپنے وجود کو کسی نہ کسی نظریے اور فکر سے جوڑا کرتی ہے۔ مغرب میں ریاست کا قیام جس نظریے کے تحت وجود میں آتا تھا وہ نظریۂ قومیت اور برتری کا تصور تھا، آج بھی مغربی ریاستیں انہی بنیادوں پر قائم کی جاتی ہیں۔ سکندر اعظم کی لوٹ مار سے لیکر ساتویں صدی عیسوی میں برطانیہ پر ناروے کی یلغار، پھر برطانیہ کی امریکہ، کینڈا، آسٹریلیا اور پھر ہندوستان پر یلغار در اصل اسی نظریے سے وابستہ تھی۔ آج بھی ان اقوام کے ہاں برتر اور بدتر کا تصور اسی طرح پایا جاتا ہے جس طرح صدیوں پہلے پایا جاتا تھا اسکے مظاہر بھی ہم آئے روز دیکھتے ہیں جس میں ٹرمپ صاحب کا سیاہ فام لوگوں کے خلاف علی الاعلان نامناسب رویہ اور ایک سیاہ فام شہری جارج فرائیڈ کا پولیس کے ہاتھوں قتل، انسانیت کشی کی تازہ ترین مثالیں ہیں۔

ان تصورات کے برعکس اسلامی ریاست انسانی وحدت، اخلاقیات اور حاکمیتِ الٰہی کے اعلیٰ تصورات کے تحت تشکیل پاتی ہے۔ آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال قبل ریاستِ مدینہ انہی عناصرِ ثلاثہ کی بنیاد پر وجود میں آئی تھی ۔اور یہ ریاست تمام تر تعمیلی تقاضوں کی خامیوں کے باوجود (1924ء خاتمہ خلافت عثمانی) تک قائم رہی۔ انہی عناصر ثلاثہ کی بنیاد پر ریاست اور نظریہ ریاست کا آپس میں گہرا تعلق قائم ہوتا ہے اور ریاست کے تمام شعبہ جات اپنا اپنا لائحہ عمل طے کرتے ہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی محاضرات شریعت میں لکھتے ہیں کہ:-

> "اسلامی نظام میں ریاست اور دین، اور مذہب اور سلطنت دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ دونوں کے تقاضے ایک دوسرے سے پورے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ماوردی نے یہ بات لکھی ہے کہ جب دین کمزور پڑتا ہے تو حکومت بھی کمزور پڑ جاتی ہے۔ اور جب دین کی پشت پناہ حکومت ختم ہو جاتی ہے تو دین بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔ اس کے نشانات مٹنے لگتے ہیں۔" [7]

یعنی ریاست اور نظریہ ریاست کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

ریاستِ مدینہ اور نظریہ پاکستان :

برصغیر میں مسلمانوں نے تقریباً 800 سال حکومت کی اپنی تمام تر جزوی کمزوریوں کے باوجود اسلامی قانون اور معاشرت میں بنیادی اسلامی اصولوں کا احترام و عمل جاری رکھا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا تھا کہ برعظیم پاک وہند میں تحریکِ پاکستان کی بنیاد اس وقت رکھ دی گئی تھی جب پہلے مسلمان نے یہاں قدم رکھا تھا۔ گو وہ سلاطین ہوں یا مغل شہزادے، انہوں نے بہر حال اپنی اسلام کیساتھ وابستگی کو ہر سطح پر برقرار رکھا تھا۔ جب جب اندرونی خامیوں اور دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کی بنا پر مسلم حکومت کو ہندوستان میں زوال آیا اور ہندو مسلم اتحاد پر ہندوستان میں اقتدار کا نعرہ لگا تو پھر ایک اسلامی سٹیٹ کی ضرورت محسوس کی گئی تب لاکھوں جانوں کی قربانی دے کر پاکستان کا وطن حاصل کیا گیا، جس کا مقصدِ وجود یہی تھا کہ جن بنیادوں پر ریاستِ مدینہ قائم کی گئی تھی انہی بنیادوں پر مملکتِ خداداد کا نظام قائم کیا جائے۔

قیامِ پاکستان کے بعد جب بانئ پاکستان قائداعظمؒ سے پاکستان میں قانون سازی سے متعلق پوچھا گیا تو انکا جواب تھا کہ "پاکستان کی قانون سازی آج سے 1400 سال قبل ہو چکی ہے"۔ قائداعظمؒ کے جواب کا مطلب یہ تھا

کہ مسلمانوں کے لئے وجود میں آنے والی یہ ریاست اب ریاستِ مدینہ کی عملی تصویر ہوگی۔ قائد اعظمؒ نے اپنی 11 اگست 1947ء کی تقریر میں بھی جو عملی ہدایات پیش کیں وہ ریاستِ مدینہ کے قیام کی جانب اشارہ دیتی ہیں۔ [8]

جہانگیری و جہاں داری کے اصولوں کی تفہیم اور قومیت کے مقاصد کی تکمیل دو اصولوں پر ہوتی ہے قومی مفادات کا تحفظ اور اسکی خاطر ذاتی مفادات کی قربانی۔ قومیت کے تحفظ کا اس کے علاوہ کوئی تیسرا طریقہ نہیں ہے۔ کسی بھی ریاست کے تمام ممکنہ شعبے وہ مقننہ ہو یا انتظامیہ، عدلیہ ہو یا محافظ قوت، نظام تعلیم ہو یا نظامِ ابلاغ،، سب ادارے اسی تصورِ قومیت کے استحکام کے لئے کام کرتے ہیں۔ آپ ماضی یا حال کی کسی بھی ریاست کو دیکھ لیں، وہ اپنی قومیت کی بنیادوں سے کبھی انحراف نہیں کرتی اسرائیل کی مثال ہمارے سامنے ہے ان کا آئین تورات (انکی الہامی کتاب) ہے۔ انہوں نے اپنا آئین آج تک کسی اسمبلی کے تحت بنایا ہی نہیں۔ اڑھائی ہزار سال پر محیط اپنے شرمناک ماضی سے جان چھڑوا کر وہ اب اپنے حقیقی نظریے کی بنیاد پر معاشرہ چلا رہے ہیں۔ علاوہ ازیں قومی تحفظ کے لئے ہر نوجوان تربیت حاصل کرتا ہے۔ وہاں نظام تعلیم میں اختلاط نہیں ہے۔ سبت کے روز پورا اسرائیل چھٹی پر ہوتا ہے اور عبادت کی جاتی ہے ان کا قومی ترانہ برتری کے تصور پر ترتیب دیا گیا ہے۔ غرضیکہ اسرائیلی قوم جہانگیری و جہاں داری کے تقاضوں کو سمجھنے، اور ذاتی مفادات پر قومی مفادات کو ترجیح دینے کے اصولوں پر چل رہی ہے اس لئے انہوں نے پوری دنیا کو تگنی کا ناچ نچایا ہوا ہے کہ ان دو بنیادوں پر قومیت جنم لیتی، پروان چڑھتی اور پختہ ہوتی ہے۔

ریاست کے شعبہ جات میں ذرائع ابلاغ کا کردار:

مملکتِ خداداد پاکستان میں بھی قومی تعمیر و ترقی کے لئے یہی ادارے قائم کر رہے ہیں جن میں ہمارا موضوع ہماری قومیت کے تناظر میں ہمارے ابلاغ کے ادارے ہیں۔ موجودہ دور میں شعبہ ذرائع ابلاغ نے اتنی اہمیت اختیار کرلی ہے کہ اب اسے ریاست کے چوتھے ستون کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔

ذرائع ابلاغ کا تعارف:

ذرائع ابلاغ ہمیشہ ہی لوگوں کے لیے کھانے اور پینے کی طرح اولین ضروریات میں سے ایک ضرورت بنے رہے ہیں۔ اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے لوگوں کو مختلف طریقوں سے اپنی بات پہنچانے کی کوشش کرنا، کبھی پرندوں کے ذریعے، کبھی دیواروں پر پمفلٹس چسپاں کرکے، کبھی منادی کرا کے، یہاں تک کہ صنعتی انقلاب کے بعد ذرائع

ابلاغ میں حیرت انگیز تبدیلیاں رونما ہوئیں، اس تیزی سے کہ گویا وقت کی رفتار کو بھی پیچھے چھوڑ دیا چنانچہ پچھلی صدی کو "ذرائع ابلاغ" کی صدی کہا گیا۔ ذرائع ابلاغ کو عربی میں "اعلام" کہا جاتا ہے۔"الاعلام نشاۃ وسائلہ ما یؤثر فیہ "کے مصنف ڈاکٹر یوسف محی الدین نے اس کی تعریف اسطرح کی ہے: ھو نشر الحقائق والاخبار والافکار والآ راء فی وسائل الاعلام المختلفہ [9]

یعنی حقائق، اخبار، افکار، آراء کو مختلف ذرائع کے ذریعے لوگوں تک پہنچانے کو میڈیا کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے ذرائع ابلاغ یا میڈیا کے لیے ایک وسیع المعانی اور بلیغ لفظ "دعوت" کا انتخاب کیا ہے۔ آنجناب ﷺ سے قبل انبیاء کرام کی دعوت صرف اپنی بستی یا قوم تک محدود تھی لیکن آنحضور ﷺ کی دعوت پوری بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ قرآن کی تعلیم "ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ"اور" وما علی الرسول الا لبلاغ "کے پیشِ نظر آنجناب ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سراپا تبلیغ تھی آپ ﷺ نے ابلاغ کے تمام ذرائع کو اپنے مسلسل استعمال میں رکھا اس کے لیے آپ ﷺ نے صرف مکہ ہی کو اپنی دعوت کا مرکز نہ بنایا بلکہ کلمۂ حق کی ادائیگی کے لیے کبھی مدینہ ہجرت فرمائی تو کبھی سفرِ طائف اختیار کیا، کبھی ایامِ حج میں لوگوں کو دین کی طرف بلایا تو کبھی صحابہ کرام کو اپنا دعوتی سفیر بنا کر بھیجا۔ مسجد نبویؐ کے اصحابِ صفہ میں بیشمار تبلیغی وفود بنا بنا کر حضورؐ نے مختلف قبائل کی طرف ارسال فرمائے ان میں بہت سے وفود کو لوگوں نے دھوکہ سے قتل بھی کر دیا لیکن آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کا یہ کام ترک نہ کیا[10] ۔ آنجناب ﷺ نے اپنے دورِ مبارک میں دین کی اشاعت کے لیے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا۔ انہوں نے وہاں دین کا پیغام پوری ذمہ داری کیساتھ پہنچایا۔ آنجناب ﷺ جو سفیر یا ایلچی بھیجا کرتے تھے ان کا کام چند سیاسی امور کیساتھ اسلام کی تبلیغ بھی ہوا کرتا تھا۔ آپؐ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ منورہ میں تبلیغ دین کے لیے اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ عہد صحابہ میں بھی صحابہ کرام کا دین کی اشاعت کے لیے زمین کے طول و عرض میں پھیل جانا ایک عظیم کارنامہ تھا، دور دراز شہروں اور مقامی آبادی کے ساتھ ساتھ حکومت کے احوال سے مکمل آگاہی بھی ضروری تھی۔

ریاستِ مدینہ، جسکے احیاء کا خواب ہم پاکستان کی صورت میں دیکھنا چاہتے ہیں ایک مکمل نظریاتی ریاست تھی اُس دور میں سب سے زیادہ اہتمام بھی تحفظِ نظریات کا ہی کیا جاتا تھا اپنی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لئے خصوصی اقدامات کئے جاتے تھے۔ عوام میں بھی یہ جذبہ اسقدر اجاگر کیا جاتا کہ ہر بندہ خود کو اسلامی نظریہ کے تحت

قانونِ خداوندی کا پابند سمجھتا تھا۔ اسلام کے اس آفاقی پیغام کو پھیلانے کے لیے آج ہمیں زیادہ اسفار کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میڈیا کے درست استعمال کی ضرورت ہے۔

اِرتقائے نظریہ میں الیکٹرانک میڈیا کا کردار:

ابلاغ کے جتنے بھی ذرائع ہوسکتے ہیں ان سب کا ریاست اور حکومت کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔ آج کا دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے الیکٹرانک میڈیا آج کے دور کا سب سے موثر اور قیمتی ہتھیار ہے جس کے ذریعہ نظریہ انسانی اپنے ارتقاء کیطرف گامزن ہوسکتا ہے اور نظریات یکسر تبدیل بھی کیے جاسکتے ہیں۔[11]

قدیم چینی کہاوت ہے کہ ایک تصویر ہزار الفاظ کی نسبت زیادہ موثر ہوتی ہے، الیکٹرانک میڈیا میں بہت جلد اثر انگیزی کی خصوصیت پائی جاتی ہے اسی لیے باقی تمام ذرائع کی نسبت الیکٹرانک میڈیا کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ آج چاہے مسئلہ حکومت وسیاست کا ہو، چاہے دین کی نشر واشاعت کا، کمپنی ٹریڈ اور بزنس کے فروغ کا معاملہ ہو، جدید تعلیمی وسائل کی فراہمی کی بات ہو یا کورٹ کچہری کے دنگل کی، ہر جگہ ہر موڑ پر میڈیا کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ جنگوں میں میڈیا کو ہراول دستہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال میں نذر الحفیظ ندوی لکھتے ہیں کہ:-

> "اقوام متحدہ کے سابق سیکریٹری بطروس غالی سے (A.B.C) امریکن براڈکاسٹنگ کمپنی کے نمائندے نے صومالیہ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ صومالیہ میں امریکی فوج بھیجنے کی کاروائی اس لیے ممکن ہوسکی کہ ہم نے اس مقصد کے لیے مسلسل دس مہینے تک ذرائع ابلاغ کو وقف کر دیا تھا۔"[12]

مغرب اپنے میڈیا ہی کے ذریعے اپنی تہذیب وثقافت، علوم واقدار اور مذہب سب کچھ ہم پر زبردستی ٹھونسے چلا جارہا ہے۔ مغرب کی بھارت کے ساتھ گٹھ جوڑ سے بھارت نے ہم پر تہذیبی یلغار اتنی شدت اور کامیابی کیساتھ کی ہے کہ ہم اس کی مدافعت نہ کرسکے۔ برسوں پہلے بھارتی قیادت نے ڈنکے چوٹ پر یہ اعلان کیا تھا کہ ہم نے پاکستان پر ثقافتی فتح حاصل کرلی ہے،[13] گویا میڈیا کے اثرات اب نظریات کے تغیر وتبدل سے آگے بڑھ کر عملی سانچے میں ڈھل رہے ہیں۔ سماجی زندگی اور رابطہ عامہ کے ماہرین کو میڈیا کے غیر معمولی گہرے اور ہمہ گیر اثرات پر اتنا بھروسہ ہے کہ وہ جب چاہتے ہیں اپنے متعین مقاصد واغراض کو حاصل کرنے کے لیے کسی ملک وقوم کی

اخلاقی و سیاسی قدروں کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں اور انہیں یقین ہوتا ہے کہ ان ملکوں کے لوگ انکے پھیلائے گئے جال میں ضرور پھنس جائینگے کیونکہ انکے پاس اس پروپیگنڈہ کا توڑ کرنے کے لیے کوئی فنی اور تکنیکی صلاحیت نہیں ہے [14]

الیکٹرانک میڈیا فرد کی ذہن سازی کے حوالے سے کسی بھی تربیتی ادارے سے زیادہ اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ گویا الیکٹرانک میڈیا کو آج بیک وقت معلم، مرشد اور کتاب کا کردار مل گیا ہے۔ ہمارا تمدنی دور آج در اصل میڈیا کا دور ہے جس کے توسط سے ایک قوم دوسری قوم کو اس کے گھروں بلکہ سونے کے کمروں تک میں بلا روک ٹوک گھس کر ذہنوں کو متاثر کر سکتی ہے۔ مشہور مستشرق ارجب کہتا ہے کہ لوگوں کے افکار کو بدلنے کے لیے صرف مغربی انداز کی تعلیم اور مغربی نظریات کا پڑھا دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ تعلیم تو صرف پہلا زینہ ہے اصل تو ذرائع ابلاغ ہی ہے، کیونکہ اس سے ہر کس و ناکس، عالم و جاہل، پڑھا لکھا اور ان پڑھ سب مستفید ہوتے ہیں۔ لہٰذا سب سے زیادہ محنت ذرائع ابلاغ ہی کے ذریعے سے ہونی چاہیے تاکہ لوگ مغرب کے دلدادہ ہو جائیں [15] ۔ تعلیمی اصلاحات بھی اس وقت تک غیر مؤثر رہیں گی جب تک کہ میڈیا کو مشرف باسلام نہ کر لیا جائے، گو آج میڈیا جس درجہ آزاد ہو چکا ہے اور ہمارے ذہنوں کو جس طرح اپنا اسیر بنا چکا ہے، اس نے طہارتِ فکر و نظر اور نظافتِ روح و قلب کے تصور ہی کو مجروح کر کے رکھ دیا ہے۔ میڈیا کی تباہ کاریوں میں انتہائی تباہ کن صورتحال یہ ہے کہ مغرب میڈیا کے ذریعے اپنے سیاہ کو سفید بنا کر پیش کر رہا ہے اور اس میں کامیاب ہے اور ہم اپنے سفید کو سفید ثابت نہیں کر پا رہے اور اس میں نہ صرف ناکام ہیں بلکہ ہم نے اپنے میڈیا کو بھی انکی غلامی میں لگا دیا ہے۔ اسلامی ممالک کا الیکٹرانک میڈیا اگر غیر اسلامی ثقافت کا پرچار کرے اور شعائرِ اسلامی کی تضحیک کرے تو اس سے زیادہ افسوس ناک امر کیا ہو سکتا ہے؟

میڈیا اور یہودی نظریات:

1897 میں سوئیزرلینڈ کے شہر "بال" میں تین سو یہودی دانشوروں، مفکروں، فلسفیوں نے ہرٹزل کی قیادت میں جمع ہو کر پوری دنیا پر حکمرانی کا منصوبہ تیار کیا تھا یہ منصوبہ (19) انیس پروٹوکولز کی شکل میں موجود ہے۔ اس منصوبہ کو یہودی دانشوروں کی دستاویز بھی کہا جاتا ہے۔ جس میں انہوں نے جہاں یہ طے کیا کہ تمام دنیا پر حکومت کے لیے سونے کے ذخائر پر قبضہ کرنا ضروری ہے، وہیں اس دستاویز میں ذرائع ابلاغ کو بھی بنیادی اہمیت دی گئی۔ اپنی بارہویں دستاویز میں یہودیوں نے اقرار کیا کہ وہ ایسا قانون بنائیں گے کہ کوئی خبر انکی نظروں سے گزرے بغیر کسی سماج تک نہ پہنچ سکے گی۔ اسطرح ہر قسم کے ذرائع ابلاغ پر وہ اپنا تسلط رکھیں گے اور جب بھی چاہیں گے قوموں کے جذبات کو

مشتعل یا پرسکون کر دیں گے۔ انکا کہنا ہے کہ ہمارے اخبارات ورسائل ہندوؤں کے معبود وشنو کی طرح ہونگے جس کے ہاتھ سینکڑوں ہوتے ہیں۔ ہم دنیا کو جو تصویر دکھانا چاہیں گے وہ پوری دنیا کو دیکھنا ہوگی۔ یہودی میڈیا کی شہنشاہی یورپ و امریکہ کے ممالک تک محدود نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام ہی براعظموں کی ریاستوں اور مشہور و غیر مشہور شہروں تک پھیلی ہوئی ہے جو بارھویں دستاویز کے دعوے کا عملی ثبوت ہے۔ انہوں نے پہلے ذرائع ابلاغ کا سہارا لے کر تمام دنیا کی نظروں میں اپنی خصوصیات (ذلت وخواری، بدطینتی، حرص ولالچ، قساوت قلبی، شر پسندی، انسانیت دشمنی) کو بدلنے، خود کو مظلوم ثابت کرنے پر ساری توانائیاں صرف کر ڈالیں۔ پھر میڈیا کو عالمی حکومت کی تشکیل و تعمیر کے بنیادی وسائل میں سے ایک طاقتور اور کارگر وسیلہ بنایا گیا۔ جس کے ذریعے نیا عالمی نظام قائم کرنے کے لئے ہر ممکن کوششیں جاری ہیں اور اس عالمی تہذیب کی بالادستی کے نتیجے میں دیگر اقوام کا تشخص ختم ہو جائیگا۔ اس وقت امریکا کی بھی تمام ٹیلی ویژن کمپنیوں کے مالک یہودی ہیں۔ اسکے علاوہ ٹی وی سیریز تیار کر کے سپلائی کرنے والی دو بڑی امریکی کمپنیاں "کنین" اور "ای ٹی وی" جو پوری دنیا میں ٹی وی سیریز تیار کر کے سپلائی کرتی ہیں ان دونوں کمپنیوں کی صرف مشرق وسطیٰ کے ملکوں میں بیالیس برانچیں ہیں۔ مصنف لکھتا ہے کہ ہم پورے وثوق کیساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس دور میں پچانوے فیصد میڈیا پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ وہی پوری دنیا کی ذہن سازی کا کام کر رہے ہیں۔ وہ جدھر چاہتے ہیں رائے عامہ جھکتی چلی جاتی ہے۔[16]

LOBBYING جو کہ پروپیگنڈہ کی ترقی یافتہ شکل ہے کے معنی رائے عامہ کو ہموار کرنا ہے اس نے باقاعدہ ایک پیشہ کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اس مقصد کے لیے حکومتیں لاکھوں اور کروڑوں ڈالر خرچ کرتی ہیں اور چونکہ دنیا میں دولت وثروت میں یہودی سب سے آگے ہیں لہٰذا ان کے امریکہ و دیگر مغربی ممالک میں درجنوں یہودی ادارے قائم ہیں جنکا مقصد لابنگ (Lobbing) کرنا ہے۔[17] اس لابنگ کے ذریعے مغربی میڈیا مسلمانوں کی جو تصویر کشی کرتے ہوئے مسلسل اپنا تعصب ظاہر کرتا ہے مثلاً مسلمان عربوں کو دولت مند، بے وقوف اور عیاش دکھانا، مسلمانوں کو فتنہ پرور اور دہشت گرد کے روپ میں دنیا کے سامنے پیش کرنا، مسلمانوں کو ایک شہوت پرست انسان دکھانا، مسلمان کو سطحی انسان کے طور پر دکھانا، مسلمانوں کو شیطانی اور وحشی کے روپ میں دکھانا جو دوسروں کا بے رحمی سے قتل کرتے ہیں۔ ان موضوعات پر فلمیں بنائی گئیں جن کا مقصد لوگوں کو آئندہ کے لیے مسلمانوں سے چوکنا رہنے کی تاکید کرنا ہے۔ مغربی میڈیا کی اس یلغار نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ عالم اسلام کو مادی و

انسانی خسارے سے دوچار کر دیا ہو بلکہ اسے اپنی تہذیب و ثقافت اور عقائد ہی سے بدظن کر دیا ہے ہندوستانی میڈیا بھی مغرب ہی کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ ہندوستان کے سرکاری و غیر سرکاری حلقوں سے بار بار یہ چیز مختلف طریقوں میں پھیلائی جاتی ہے کہ دینی مدارس آئی ایس آئی کا اڈا ہیں۔ ہم بحیثیت مسلمان جن چیزوں کو عریاں، فحش اور بے ہودہ خیال کرتے ہیں اور اسلامی تصور و عصمت و عفت کے خلاف سمجھتے ہیں وہ ہندوستان کی اکثریت کی نظر میں عین تقدس بلکہ مذہبی و ثقافتی وراثت ہے۔ جو قومیں اپنی ثقافت اور فکر کے مقابلہ میں دوسری قوموں سے متاثر ہوتی ہیں وہ اپنے تشخص سے محروم ہو جایا کرتی ہیں۔ الغرض شیطان نے میڈیا کو اپنا ترجمان بنا رکھا ہے اس کی بدولت دنیا ظهر الفساد في البر و البحر کا منظر بنتی جا رہی ہے۔

حفاظتِ حقوق اور الیکٹرانک میڈیا:-

پاکستان میں 1964ء میں جب ٹیلی ویژن کا آغاز ہوا تو اس کے تین مقاصد طے کیے گئے۔ اطلاع، تعلیم اور تفریح۔ لیکن رفتہ رفتہ ٹیلی ویژن پر تفریح کا عنصر غالب آتا گیا۔ بیسویں صدی کی ساتویں دہائی کے آغاز میں امریکی فوج نے سب سے پہلے انٹرنیٹ ورک قائم کیا۔ رفتہ رفتہ گلوبل نیٹ ورک چالیس سے زائد قومی علاقائی اور پرائیویٹ نیٹ ورکس میں تبدیل ہو گیا۔ 1997ء میں پچاس لاکھ سے زائد کمپیوٹر انٹرنیٹ کے لیے بھی استعمال ہو رہے تھے۔ اس کے بعد انٹرنیٹ کے استعمال میں تیزی کیساتھ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مارچ 2000ء میں کیے گئے ایک اخباری سروے کے مطابق پاکستان میں انٹرنیٹ صارفین کی تعداد ایک لاکھ 63 ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔[18]

آج پاکستانی میڈیا کو ساؤتھ ایشین ممالک کے میڈیا سے نسبتاً زیادہ آزاد تصور کیا جاتا ہے پاکستان میں میڈیا کی آزادی کی اس تیز رفتار ترقی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 2002ء میں صرف 2 ٹیلی ویژن سٹیشنز تھے جبکہ آج ملک میں 90 سے زائد ٹی وی سٹیشنز اور 135 ایف ایم سٹیشنز کام کر رہے ہیں۔ آج پاکستانی میڈیا اپنی اسلامی تعلیم و تہذیب کو نمایاں کرنے کی بجائے یہ بتا رہا ہے کہ یہ زندگی تمہاری اپنی ہے تمہیں اپنی مرضی سے جینا ہے۔ مولانا اسماعیل ریحان اپنی کتاب "نظریاتی جنگ کے محاذ" میں لکھتے ہیں کہ: "میڈیا نے لوگوں کو قابو میں رکھنے کے لئے انکی نفسیات کا گہرا جائزہ لیا اس سے یہ بات سامنے آئی کہ لوگوں کی دو قسمیں ذمہ دار لوگ اور غیر مہ دار لوگ ہوتی ہیں: ذمہ دار لوگوں کو شبہات کے ذریعے پھانسا جاتا ہے، غیر ذمہ دار لوگوں کو شہوات میں ڈبویا جاتا ہے"[19]۔ مصنف نے یہ بھی واضح کیا کہ ذمہ دار لوگوں کے لئے خبریں، کالم، تبصرے اور مختلف فیچرز پیش کئے جاتے ہیں جن

کا آخری نتیجہ ذہن کو الجھانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ دوسری طرف غیر ذمہ دار لوگوں کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوتا اس لئے انہیں بہلانے لے لئے تفریحی شعبہ قائم کیا گیا جس میں موسیقی، رقص، مزاح، فلمیں ، ڈرامے اور طرح طرح کی موج مستی کے فضول پروگرام شامل ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ اسلامی ریاست کا بنیادی مقصد انسانی حقوق کی حفاظت ہوتا ہے جس میں اسکی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ سرِ فہرست ہے لیکن الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے جو پروگرامز پیش کیے جارہے ہیں اور انکی وجہ سے معاشرے میں نہ صرف برائیاں پھیل رہی ہیں بلکہ انسانوں کے حقوق کا تحفظ بھی برے طریقے سے نظر انداز کیا جارہا ہے۔ ان کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں۔

1۔ عدم تحفظ کا احساس:-

اسلامی حکومت کا اولین مقصد افرادِ معاشرہ کو نہ صرف جانی و مالی تحفظ فراہم کرنا ہے بلکہ اسکی عزت و آبرو کو بھی مجروح ہونے سے بچانا ہے۔ اور اس حفاظت میں مسلم و غیر مسلم کا امتیاز بھی روا نہیں رکھا گیا۔ جبکہ میڈیا پر کچھ ایسے پروگرامز پیش کیے جاتے ہیں جن میں آگاہی کے نام پر پورے پورے جرائم کو مکمل باریک بینی کے ساتھ مرچ مصالحہ لگا کر دکھایا جاتا ہے۔ کسی بھی سانحہ کی روئیداد تفصیل کے ساتھ چلا کر یہ موقف پیش کیا جاتا ہے کہ اسطرح عوام میں ایسے حالات سے خبر دار رہنے کی تحریک پیدا ہوگی۔ حالات کی سنگینی سے آگاہی کی یہ مہم دوسری طرف شیطانی ہتھکنڈوں اور سازشوں کی تشہیر بھی کرتی ہے۔ کئی شر پسند عناصر نئے حربوں اور متبادل رستوں سے آگاہ ہوتے ہیں۔ نتیجتاً جرائم میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ آج معاشرے کا کوئی شخص بھی محفوظ نہیں رہا۔ اسے بہ آسانی قتل کیا جاسکتا ہے، لُوٹا جاسکتا ہے اور اسکی بے عزتی کر کے اسے براہ راست نشر بھی کیا جاسکتا ہے۔ آج کے انسان کو کسی بھی تخریبی کاروائی کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ حتیٰ کہ راہ گیر اور مسافر بھی شر پسند عناصر کا خوف لئے ہوئے سفر کرتے ہیں۔ عدم تحفظ کا یہ احساس بہت سی معاشرتی خرابیوں کی وجہ بنتا ہے۔

2۔ احساسِ کمتری :-

بلند حوصلگی اور خود اعتمادی ایسے اوصاف ہیں جو ایک اعلیٰ وارفع تہذیب کے حامل افراد کا خاصہ اور امتِ نیابت کا طرۂ امتیاز ہیں لیکن افسوس کہ میڈیا نے ان اوصافِ حمیدہ کے مقابل لوگوں میں احساسِ کمتری پیدا کیا ۔ اہلِ مغرب نے انسان کی ذہنی نفسیات کا سالوں پر محیط مطالعہ کر کے ذہنِ انسانی کو تبدیل کرنے کے طریقوں کا

سراغ لگایا۔اس نفسیاتی مطالعہ سے سرمایہ دار کے لالچ نے ہر مادی شے کو پروڈکٹ اور دنیا کے ہر فرد کو گاہک کی حیثیت دی۔ان سرمایہ داروں نے میڈیائی طاقت کے ذریعے پیسے کی اہمیت کو اسقدر اجاگر کیا کہ انسان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد زیادہ سے زیادہ پیسہ کمانا ہی رہ گیا اور زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی طرف سے وہ بے نیاز ہو گیا۔

اسلام لوگوں کے معیارِ زندگی (standard of living) میں زیادہ فرق نہیں چاہتا اور نہ ہی اس قدرتی فرق کو نمایاں کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف اس نے نمود و نمائش کو سختی سے رد کیا ہے خواہ وہ نیک کاموں ہی میں کیوں نہ ہو اور دوسری طرف انسان کو ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنے کی تلقین اور قناعت پسندی کی تعلیم دی ہے۔ آنجناب ﷺ نے پوری زندگی قناعت کا شعار اپنائے رکھا اور تعیشات سے اجتناب فرمایا تاکہ غربا کا حوصلہ بھی مضبوط رہے اور امتِ مسلمہ کو یہ درس ملے کہ دنیا کا سامانِ عیش و عشرت ایسی چیز نہیں ہے جس پر فخر کیا جائے بلکہ اللہ کے ہاں پسندیدہ خوبی تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔ لیکن مملکت خداداد میں ہمارا الیکٹرانک میڈیا غریب کو اسکی غربت کا بار بار احساس دلاتا ہے۔اشتہارات میں بڑے بڑے بنگلے، عالیشان گاڑیاں اور اعلیٰ سوسائٹی ہی کو زیادہ دکھایا جاتا ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں میں ناشکری اور احساس کمتری کے جذبات بڑھ جاتے ہیں۔ لوگ ناجائز ذرائع آمدنی سے دولت کما کر اپنے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے چکر میں عمریں کھپا دیتے ہیں۔بار بار ایک اشتہار کو دیکھ کر لوگ اسے اپنی ضرورت سمجھ لیتے ہیں۔ بعض اوقات گھر کا واحد کفیل ان اشیاء کو خریدنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔اس لیے گھروں میں لڑائی جھگڑے اور بے سکونی کی وجہ یہ اشتہارات بھی ہیں[20]۔ پے در پے نمود و نمائشِ دولت نے غریب آدمی کو اپنی کم مائیگی کا احساس دلا کر مایوسی کی طرف دھکیل دیا ہے۔یہ مایوسی انسان سے اسکی صلاحیتیں چھین کر اسے ناکارہ کر دیتی ہے اور مایوس انسان کفر کی حد تک پہنچ سکتا ہے۔اس ضمن میں میڈیا یہ سنگین غلطی بھی کر رہا ہے کہ عوام کے ذہنوں میں مغربی تہذیب کے ہر لحاظ سے بلند و بالا ہونے کے تصور کو جاگزیں کیا جاتا ہے جس سے اپنی درخشاں اسلامی تہذیب کے بارے میں عوام میں احساسِ کمتری پروان چڑھ رہا ہے۔پھر یہیں پر بس نہیں سرمایہ دار نے راتوں رات امیر ہو جانے والی ذہنیت کو بھی عوام کے درمیان فروغ دیا نتیجتاً ایک کمزور قوتِ خرید والا شخص جو نقد موٹر سائیکل نہیں خرید سکتا اس کو بھاری شرحِ سود پر گاڑی دے دی جاتی ہے، ان اقساط کو ادا کرتے ہوئے وہ آدمی اپنے بچوں کی تعلیم و خوراک پر قدغن لگاتا ہے۔

3۔باہم مقابلہ بازی کی فضا:-

الیکٹرانک میڈیا پر ہر سمت مقابلہ بازی چلتی نظر آتی ہے، خواہ سیاست ہو صنعت و حرفت، فیشن، دولت یا کوئی اور میدان۔ جب کوئی شخص دوسرے کا مقابلہ کرے گا تو ضرور اسکی ٹانگ کھینچ کر اسے گرانا بھی چاہے گا۔ حسد کی آگ میں جل کر خود اپنا نقصان بھی کر گزریگا۔ اسلامی نقطہ نظر سے کوئی آدمی حتیٰ کہ سربراہ مملکت بھی عام لوگوں کے مقابلے میں بودوباش یا کھانے پینے یا دوسرے انسانی حقوق میں کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔ قرآنی پیغام "الھکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر"[21] کا فلسفہ بھی دراصل یہی ہے کہ دنیاوی مقابلہ بازی کی فضا سے بچا جائے۔ کثرت، لالچ، حرص اور طمع کے بارے میں خبر دار فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ وہ رذائل ہیں جو قبر تک ساتھ نہیں چھوڑتے۔ مقابلہ بازی کی فضا میں جینے والا شخص پوری زندگی نعمتیں ملنے پر بھی خوش نہیں ہوتا۔ ہمارے الیکٹرانک میڈیا نے انسانوں کے مابین VIP اور VVIP کی تفریق قائم کر دی ہے۔ اس غیر اسلامی تقسیم نے انسانوں کے مابین نفرت، حقارت اور بے حسی کے بیج بوئے ہیں۔ آنجناب ﷺ سے بڑھ کر وی آئی پی شخصیت پورے عالم رنگ و بو میں کوئی اور نہیں ہو سکتی، لیکن اس شہنشاہِ دوعالم ﷺ کے دولت کدہ میں بھی دو دو مہینے آگ نہیں جلتی تھی[22]۔ آنجناب ﷺ نے مومن کو عیش کوشی سے بچنے کی تعلیم دی ہے۔[23]

باہم مقابلہ بازی کی فضا تیار کرنے اور معیار زندگی بلند کرنے کے اس نعرے کو کثیر القوی کارپوریشنیں بھی معاشی لوٹ مار کے لئے استعمال کرتی ہیں اور اس لوٹ مار کی خاطر وہ جو کچھ سوسائٹی کو فراہم کرتی ہیں وہ ضروریاتِ زندگی کی اشیاء نہیں ہوتیں اور نہ ہی تحسینیات زندگی سے ان اشیاء کا تعلق ہوتا ہے یہ کارپوریشنیں اپنی کسی بھی ایجاد کو الیکٹرک یا پرنٹ میڈیا پر وپیگنڈے کے زور پر معاشرے کی ضرورت بنا دیتے ہیں اس پر پیگنڈے کو پرکشش بنانے کے لئے کمرشل اشتہارات کے ذریعے اخلاقی بے راہروی کو جس حد تک لیجاسکتے ہیں لے جاتے ہیں اس سلسلے میں اپنے ملک پاکستان میں "لکس"، "کوک" اور "پیپسی" وغیرہ کے اشتہار نمایاں ہیں جن میں نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی آزادانہ مکسنگ اور ذومعنی ڈائیلاگ سے انہیں مزید پرکشش بنایا جاتا ہے۔ اسی پر ہی بس نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنی یہ پروڈکشن بڑے بڑے ادروں کو مفت مہیا کرتے ہیں اور یہ تمام تشہیری اخراجات بھی اس پروڈکشن پر ڈالے جاتے ہیں۔

ایسی سرگرمیوں سے معاشرے کی اخلاقیات پر جو منفی اثرات پڑتے ہیں انکا مختصر جائزہ درج ذیل ہے۔

I. انسان فطری طور پر کچھ نقال پیدا ہوا ہے ایک بچہ اپنی اس خصوصیت کی بنا پر معاشرے سے سیکھتا ہے ان کثیر القومی کمپنیوں کی اس قسم کی سرگرمیوں سے معاشرے کے نوجوانوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔ایک نظریاتی ملک میں ایسا اخلاقی زوال بہت بڑا خسارا ہے۔

II. معیارِ زندگی کی برتری کا تصور ملک میں طبقاتیت کو بڑھاوا دیتا ہے۔امیر، امیر ترین ہوتا چلا جاتا ہے اور غریب، غربت کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔اسکا سب سے زیادہ نقصان دہ پہلو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امیر کی امارت اور غریب کی غربت، دونوں اپنی بقا کی خاطر لڑنے کی صلاحیت سے محروم کر دیتی ہے مجرد فوجیں یا فوجی صلاحیت ملک کی بقا کے لئے نہایت کافی ہوتی ہے ویت نام اور افغانستان میں اس کے تجربات ہو چکے ہیں ملکوں کی بقا کا دارو مدار پوری قوم (عوام بشمول فوج) کے اپنے ملک کی خاطر دیوانگی کی حد جان دینے کی خواہش میں منحصر ہوتی ہے علاوہ ازیں مقروض ملک کی دولت باہر منتقل ہوتی ہے جس کے ملکی اکانومی پر منفی اثرات پڑتے ہیں۔

III. ملک میں محنت کے رجحان کی بجائے "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ ن کی نیست "کی فضا جنم لیتی ہے جس کے نتیجے میں ملکی ترقی پر براہِ راست منفی اثرات پڑتے ہیں جس کے نتیجے میں طبقاتی تفاوت بڑھ رہا ہے محنت سے جی چرانے والا ما تحت طبقہ نظم و ضبط کے متقاضی افسر کا جانی دشمن بن جاتا ہے۔

انسانی خواہشات میں معیارِ انسانی کو بلند کرنے کا تصور انسان کو غیر معیاری انسانی سرگرمیوں میں ملوث کرتا ہے جو معاشرے کے اخلاقی زوال کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں۔اس کے برعکس مذہب انسان کو معیارِ اخلاق بلند کرنے کا تصور دیتا ہے۔ پھر اس اخلاقی برتری کے تعمیلی تقاضے معاشرے میں اعلیٰ روایات کو پروان چڑھاتے ہیں۔

4۔وقت کا بے دردانہ استعمال:-

ٹی وی، ٹاک شوز اور طویل تجزیاتی پروگراموں میں حکومتی اور اپوزیشن رہنما، کارکنان اسمبلی اور دیگر سیاسی رہنماوں کے علاوہ مذہبی، معاشی، سیاسی اور سماجی تجزیہ نگار بھی شرکائے گفتگو ہوتے ہیں ان میں اکثر پروگرام بحث برائے بحث اور مخالفت برائے مخالفت پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس دوران اصل موضوع تو کہیں پس پشت چلا جاتا ہے جبکہ تبصرے کے نام پر اپنے مطلب کے نظریات کو پروان چڑھایا جاتا ہے، نتیجتاً عوام اتنا وقت لگا کر بھی مزید

ذہنی خلفشار کا شکار ہو کر کسی نتیجہ پر پہنچے بغیر ہی رہ جاتے ہیں۔ ان میں خواتین اینکرز کی ایک بڑی تعداد ہوتی ہے جو دلیل اور ردِ دلیل کی ماہر بھی ہوتی ہیں۔ یہ اینکرز محض کٹھ پتلیاں ہیں جو اپنے زورِ استدلال کو پروڈیوسر صاحبان کی طرف سے موصول ہونے والی ہدایات کے مطابق ڈھالتی رہتی ہیں اور یہ پتہ نہیں چلنے دیتیں کہ ان کو Prompt یا Direct کیا جارہا ہے۔ ان طویل مباحث سے عوام میں آپس کے اختلافات پیدا ہوتے ہیں جن سے تخریبی سوچ جنم لیتی ہے اور اس کے نتیجے میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور تحقیر کرنے جیسے عزائم فروغ پاتے ہیں. یوں ایک اچھی خاصی دوستی سیاست اور مذہبی منافرت کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے. اور جن سیاسی پارٹیوں کے لئے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے انہین عوام کے درمیان پھیلنے والے ان آگ کے شعلوں کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ آن لائن مباحثے افراد کو سیاسی اور سماجی تقسیم کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ ایک ایسے ملک میں جہاں نظریاتی و سیاسی خلا بڑھتا جارہا ہو یہ ایک پریشان کن امر ہے[24]۔

طلباء صحتمند غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی بجائے اپنا قیمتی وقت سوشل میڈیا پر ضائع کر دیتے ہیں جبکہ مارننگ شوز میں مسلم خواتین ماڈرن ازم اور لبرل ازم کا شاہکار بنکر انتہائی فضول مباحث میں وقت، پیشہ اور وسائل کو برباد کرتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان پروگرام کے لئے کوئی باضابطہ یا تعمیری پلاننگ نہیں کی گئی یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات یہ مباحث اس درجہ خطرناک نوعیت کے حامل ہوتے ہیں کہ سادہ لوح خواتین خود کو مظلومیت کی تصویر سمجھتے ہوئے اپنے ہی اہل خانہ کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہیں اور ایک پورا ہنستا بستا گھرانہ تباہی کی دہلیز پر جا کھڑا ہوتا ہے۔

5۔ برائی کی تشہیر:-

برائی بذات خود ایک گناہ ہے لیکن برائی کی تشہیر اس سے بھی زیادہ بُری چیز ہے کیونکہ برائی سے برائی پھیلتی ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے برائی پھیلانے والوں کو وعید سنائی ہے۔

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین ا منو لھم عذاب الیم فی الدنیا والا خرۃ واللہ علیم و انتم لا تعلمون [25]

"جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے، انکو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہو گا اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے اس نے معروفات کو فروغ دینے اور منکرات کا سد باب کرنے کا حکم دیا ہے ایک مومن کے لئے ضروری ہے کہ جہاں کہیں برائی دیکھے اسے حتی المقدور روکنے کی کوشش کرے ایسا کرنا اسکا فرض ہی نہیں بلکہ یہ مومن کے ایمان کی آزمائش بھی ہے کہ وہ جس ایمان کا دم بھرتا ہے اسکا معیار کیا ہے جس کا سب سے کم درجہ برائی کو دل میں برا سمجھنا ہے اس سے کم پر کوئی مسلمان ایمان کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ آج انسان کو اسکی فطرت کی فطری کمزوریوں کی طرف ہانکا جارہا ہے جو خالقِ کائنات نے امتحاناً اس میں رکھی ہیں۔ وہ یوں کہ میڈیا ہاؤسز کی مدد سے سرمایہ دار کو اندازہ ہوتا ہے کہ انسان برائی میں کشش محسوس کرتا لہٰذا اس کارپوریٹ نے عریانیت وفحاشی کو بھی پیسہ کمانے کا ذریعہ بنالیا اس مقصد کے حصول کی خاطر اس نے عورت ذات کو اپنی دولت کا محور ومرکز بنالیا۔ اس طرح میڈیا کے ذریعے اسلامی تہذیب پر ایک کاری ضرب یہ لگائی گئی کہ یہاں ہر تفریحِ طبع کا اہتمام عورت کے وجود سے کیا جاتا ہے مقابلۂ حسن، فینسی ڈریس شوز اور فلمسٹارز کو طرح طرح کے ایوارڈز دینا تاکہ لوگ اسکی کشش سے کھنچ کھنچ کر یہاں آجائیں[26]۔ عریانیت کو فروغ دینے میں اشتہارات کا بنیادی رول ہے دنیا کی کسی چیز کا اشتہار عورت کی تصویر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ ملبوسات، مصنوعات حتیٰ کہ وہ چیزیں جو خاص مردوں کے استعمال کی ہیں مثلاً، مردانہ شیو، موٹر سائیکل اور ٹریکٹر کا اشتہار ہوگا ساتھ عورت کی تصویر بھی ہوگی۔ ٹی وی پہ چلنے والے اشتہارات کا مرکز تیز طرار، الٹراماڈرن دیدہ زیب لڑکیاں ہوتی ہیں۔ ہر چیز خواہ وہ چائے کی پتی، ٹی وائٹنر، پان سپاری، کینڈی، جوسز، کولڈ ڈرنک، ہیر کلر، کریمز، لوشن، فیس واش، بیوٹی سوپ، ٹوتھ پیسٹ، کوکنگ آئلز، برتن دھونے والا صابن، کپڑے دھونے والا ڈٹرجنٹ، یا چند ہزار کا موبائل فون ہو سب کو بیچنے کے لیے ناچتی گاتی، جلوے بکھیرتی لڑکیوں کا سہارا لیا جاتا ہے چست فینسی لہنگا یا شرارہ گاگھرا پہن کے اٹھلاتی، ادائیں دکھلاتی گلیمرس خواتین جہاں دوپٹہ نام کی بھی کوئی چیز نہیں ہوتی، جب ضروریاتِ زندگی کی چیزوں کے ساتھ دھڑلے سے اپنی نمائش بھی کریں گی تو ایسے حالات میں قوم کا کردار واخلاق کیسے ہوگا کہ وہ عورتوں کو وہی مقام دے جو اسلام نے دیا ہے؟

اس فحاشی کو عام کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ مضبوط خاندانی نظام تھا لہٰذا پہلے اس لفظ خاندان کے تصور کو محدود کیا پھر عریانیت وفحاشی کو فیشن اور کلچر کے طور پر گھروں میں رواج دیا گیا تاکہ مردوں کو بھی اس میں عار محسوس نہ ہو دوسری طرف مردوں کو اظہار رائے کی آزادی کے نام پر بھی خاموش کروادیا جاتا ہے کہ بالغ لڑکی ہے اسے زیادہ

روک ٹوک نہ کی جائے۔ دولت کمانے کی ہوس نے اس فحاشی و بے حیائی کو ٹی وی پروگرامز اور اشتہارات سے شروع کر کے بالآخر پورن انڈسٹری کے نام پر اسکے نقطۂ عروج تک پہنچا دیا۔

انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ برائی سے نفرت کرتا ہے لیکن ان ماہر نفسیات سرمایہ داروں نے بھی ایک دم انسان کو برائی خریدنے کی دعوت نہیں دی بلکہ برائی کی طرف جانے والے راستے آسان اور خوشنما بنا دئے اور اس برائی کی تمام اصطلاحات کو نئے، انوکھے اور جدید ناموں کے ساتھ مارکیٹ میں متعارف کروایا اور اسے عین تہذیب و کلچر قرار دیا۔ برائی کی اس تشہیر میں میڈیا اساسی کردار ادا یوں کر رہا ہے کہ دھماکے، فائرنگ، اغوا برائے تاوان اور بے حیائی کے واقعات کی کوریج کو ایسے انداز میں دکھایا جاتا ہے جیسے ان واقعات کا جاننا عوام کے لئے از حد ضروری ہے۔ آج جنسی زیادتی کے واقعات کا خطرناک طور پر اس طرح بڑھ جانا کہ معصوم بچیوں، بچوں، جوان لڑکیوں اور صاحبِ اولاد خواتین کی عمروں کا بھی کوئی لحاظ باقی نہ رہا ہو، ایک انتہائی قابلِ رحم صورتحال ہے۔ ہر روز عورتوں، بچیوں اور بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات خبروں کا لازمی اور بڑا حصہ ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے گھناؤنے جرائم روز بہ روز تیزی سے پھیل رہے ہیں کیونکہ انسان کی نظروں میں یہ جرائم اپنی وقعت کھو کر روز مرہ کا ایک عام واقعہ (Routine Matter) بن جاتے ہیں اور وہ بھی ایک ایسے اسلامی ملک میں جو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے لئے حاصل کیا گیا تھا؟ اور جسکی مثال ایسی مبارک ریاست کے ساتھ دی جاتی ہے جہاں ایک اکیلی عورت بھی رات کی تاریکی میں دور دراز کے سفر پر نکلتی تو ہر آفت و شر سے محفوظ رہتی تھی۔ جرائم کی تشہیر گو کہ مغربی میڈیا کے زیرِ اثر دنیا بھر میں کسی نہ کسی طور پر کی جارہی ہے لیکن ایک نظریاتی ریاست میں جہاں بُرائی کو ہاتھ سے روک دینے کی توقع کی جانی چاہیئے وہاں برائی کو میڈیا کے ذریعے یوں فروغ دینا انتہائی افسوسناک ہے۔

کج لباسی کی یہ نوبت آگئی ہے کہ عموماً مردوں کو عورتوں جیسے ریشمی اور کامدار لباسوں میں جبکہ عورتوں کو مردانہ طرز کے لباس میں دکھایا جاتا ہے۔۔ جرمنی کے ایک ڈاکٹر میگنس ہرشفیلڈ نے اس عادت کو ایک عجیب نفسیاتی بیماری کے طور پر 1935ء میں پہلی بار متعارف کروایا تھا جس میں مرد و عورت کے دل میں جنسِ مخالف کے لباس اور وضع قطع کو اپنانے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے[27]۔ جبکہ ہمارے دین اسلام نے آج سے برسوں پہلے اس برائی کی مضرت کو اس طرح بیان کیا: من تشبہ بقوم فھو منھم "جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ ان میں سے ہے"[28]

انسان کی عقلی قوت اخلاقیات کے تحت استعمال ہوتی رہے تو تمام دیگر معاملات بھی درست رہتے ہیں لیکن اگر اسکے سفلی جذبات، اخلاقیات پر حاوی ہو کر غلبہ پالیں تو نہ صرف اخلاقی وجود سے ملنے والی روحانی توانائی سے اسے محروم کر دیتے ہیں بلکہ اس کی عقلی استعداد کو بھی کُند کر دیتے ہیں نتیجے میں معاشرہ زوال پذیر ہو جاتا ہے۔

6۔بے حسی اور بے چینی:

آنجناب ﷺ نے فرمایا تھا "مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے انکی مثال ایک جسم کی طرح ہے جس طرح جسم

کی کسی ایک حصے میں تکلیف ہوتی ہے تو اسکا درد پورا جسم محسوس کرتا ہے"(مسلم، ترمذی، مسند احمد بن حنبل) لیکن میڈیا اس وقت ہمارے عوام میں بے حسی پیدا کرنے میں بھی اپنی مثال آپ ثابت ہوا ہے۔ دنیا کسی بھی مصیبت میں مبتلا ہو جائے حتیٰ کہ مسلمان ممالک پر بمباری بھی ہو رہی ہو تو میڈیا اس خبر کو صرف ایک عام خبر کی طرح پیش کرتا ہے اور پھر اسکے فوراً بعد میوزک، کھیل اور تفریحی پروگراموں کی خبریں یکے بعد دیگرے اس سرعت اور کشش کے ساتھ سامنے آتی ہیں کہ تفکر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور انسانیت سوز اصل معاملہ دب کر رہ جاتا ہے۔ ہمارے ثقافتی معمولات، ہماری تقریبات، تفریحی جلسے اور رقص و سرور کی محفلیں ہر مصیبت و پریشانی میں بے حسی کی تصویر بنکر جاری و ساری رہتی ہیں۔ گویا کہ برما، کشمیر اور فلسطین کیساتھ جو سلوک ہو رہا ہے اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ الغرض میڈیا کے اس گھناؤنے رول نے یہ مسلم اخوت چھین لی ہے اور اس کی جگہ فرقہ واریت اور مذہبی منافرت پیدا کر دی ہے۔

ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے معاشی و اقتصادی بحران بڑے غیر محسوس طریقے سے لوگوں کے دل و دماغ پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ مال و دولت کا ارتکاز محض ایک مخصوص طبقے تک محدود ہو کر رہ گیا ہے جس نے معاشرے میں بے چینی و اضطراب کو جنم دیا اور یہی بے چینی و اضطراب ہے گویا اقتصادی بحران کا دائرہ اثر و نفوذ پورے معاشرے کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے۔ اسکے علاوہ ہمارا میڈیا لوگوں میں ریاست پر بے یقینی بھی پیدا کر رہا ہے مختلف سیاسی پارٹیوں کے نمائندگان کو بلوا کر ان کے ساتھ بحث کی جاتی ہے اور اکثر اوقات اپنے ہی ملک کے رازوں کو فاش کیا جاتا ہے حالانکہ دنیا کے دیگر ممالک میں میڈیا اپنی ریاست کا دفاع کرتا دکھائی دیتا ہے اور یہ معاملات بھی ہمارے ہاں ایک معاشرتی ہیجان کا سبب رہا ہے ۔

سوشل میڈیا:

سوشل میڈیا پر مذہبی، لسانی اور قومیت پر مبنی اشتعال انگیز مواد نے لوگوں کو نفرت اور تعصبات کی انتہاؤں تک پہنچا دیا۔ سوشل میڈیا کے جرائم اس حد تک بڑھے کہ حکومت کو اس کی روک تھام کے لیے Cyber Crime Act لانا پڑا لیکن سوشل میڈیا کا مزاج ہی ایسا ہے کہ لاکھ قوانین بنانے کے باوجود اس کے جرائم پر ایک حد تک ہی پابندی لگائی جا سکتی ہے۔ اس کا حل ریاست اور عوام کے باہمی تعلق کی مضبوطی میں ہے۔ یہاں موجود خبریں، چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہوں، ان میں غلطی کے حد درجہ امکانات موجود ہیں، غلط فہمیاں پھیلانے کا تیز ترین اور آسان ترین ذریعہ ہے۔ ساتھ ہی اس میڈیم کو استعمال کر کے پاکستان میں دوہرے نظام کی بنیاد رکھنے کی کوشش بھی کی جا رہی ہے جہاں ریاستی اداروں بالخصوص فوج کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ حکومت کو ایسی خطرناک صورتحال کا بروقت نوٹس لے کر انتہائی سمجھداری سے جائزہ لینا ہو گا اور ہمیں من حیث القوم اس کا جواب دینا ہو گا۔ کیونکہ یہ ہماری بقا کا مسئلہ ہے۔ سیاسی، سماجی اور فرقہ وارانہ گروہ بندیوں سے آزادی رائے کے نام پر پاکستان کے دشمن عناصر کی حرکتوں کا جائزہ لینا ہو گا کیونکہ چند مخصوص افراد اور گروہ اعلیٰ انسانی اقدار کو اپنے گھناونے مقاصد کے لیے استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتے[29]۔

ہماری موجودہ نسل بالخصوص درمیانی عمر کے افراد سوشل میڈیا سرگرمیوں پر غور کرنے میں ملی جلی صورت حال سے دوچار ہیں لیکن چھوٹی عمر کا طبقہ اس سوشل میڈیا کے گرداب میں بری طرح پھنسا ہوا ہے جس نے ان کی سماجی مصروفیات کو بھی محدود کر دیا ہے۔ ذہنوں کو الجھاتی ہوئی یہ دنیا نوجوانوں کے مستقبل کو بری طرح متاثر کرتی نظر آتی ہے۔ سوشل میڈیا کا نشہ ہونے کی بدولت صرف وقت کا ضیاع ہی نہیں ہوتا بلکہ انسان نفسیاتی اور جسمانی ہر دو اعتبار سے نقصان سے دوچار ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب دہلی کے AIIMS ہاسپٹل میں social media addicted لوگوں کے لیے psychiatric clinic for cyber addicts کھول دیا ہے، جہاں کافی تعداد میں ہر دن مریض بھرتی کیے جاتے ہیں۔

نتائج:-

اسلام جس قسم کا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے اس کی مرکزی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں معروفات (نیکیاں) فروغ پائیں اور منکرات (برائیاں) کا استحصال ہو۔ اسلامی ریاست میں سدّ الزرائع اور فتح الزرائع کا پورا

انتظام موجود تھا اور اسلامی ریاست پوری دنیا کے لیے حق کی شاہد اور دین اسلام کی علمبردار تھی۔کنتم خیرہ امت اخرجت للناس کا یہی مطلب و مدعا تھا کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفی ﷺ کے بعد اب تم وہ امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیے نکالی گئی ہو اور تمہیں یہ پیغمبرانہ مشن لے کر آگے بڑھنا ہے۔ بھلائی کو فروغ دینے کے سلسلے میں عوام سے ان حکمرانوں کی اطاعت کا مطالبہ کیا گیا ہے لیکن یہاں بھی شرط عائد کی گئی ہے کہ حکمران ریاست کے بنیادی نظریے سے منحرف نہ ہوں۔اسلامی ریاست کا اصل مقصد اپنے نظریات کی سربلندی اور اقامتِ دین ہے۔ عوام اور اربابِ اقتدار اسی نظریہ کی حفاظت کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کریں گے۔امام ابن تیمیہ نے اس ذمہ داری کے بارے میں فرمایا:

> "اسلام میں ہر طرح کی ولایت، ہر نوع کی حکمرانی، ہر قسم کا منصب اور ہر طرح کی ذمہ داری کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر فرض کو اس مقصد کے لیے انجام دیا جائے کہ زندگی کی ہر روش اللہ کے لیے ہو جائے اور ہر عمل کا مقصد اللہ کے قانون کی سربلندی ہو اور تمام اختیارات کا مقصود امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہوں۔"[30]

ایک ایسے نازک موڑ پر جبکہ میڈیا ہی فکر و نظر پر محیط ہے اربابِ فکر و فن اور اصحابِ سیم و زر پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ میڈیا کے تمام شعبوں اور شاخوں اور اس کے تمام وسائل کو انسانیت کی فلاح، معاشرہ کی ترقی اور امن و سلامتی کے لیے مسخر کریں، مملکتِ خداداد پاکستان کی نظریاتی اساس پر کوئی آنچ نہ آنے دیں۔ دورِ نبوی کی طرز پر اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لیے حکمران طبقہ کو تمام شعبہ ہائے زندگی میں اسلامی اقدار و اخلاق کو فروغ دینا ہوگا اور وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ عوام کی زندگیوں میں شامل ہونے والی ہر نئی شئے مثبت اور تعمیری پہلو رکھتی ہو نیز ہماری اسلامی و اخلاقی اقدار کے مطابق ہو۔اخلاقی گراوٹ کی روک تھام کے لئے ایک عام آدمی کی قوت خرید کا مضبوط ہونا بھی بہت ضروری ہے جس کا اسلام نے قدم قدم پر خیال رکھا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ میڈیا کے اس طاقتور ہتھیار کو درست بنیادوں پر اس طرح استعمال میں لایا جائے کہ کبھی سیرت رسول پر بحث ہونی چاہیئے کبھی آنجناب ﷺ کی عدم تشدد پالیسی پر مبنی تمام پہلوؤں کو عوام کے سامنے اجاگر کیا جائے تاکہ لوگوں میں عدم برداشت کا مسئلہ حل کیا جاسکے۔ کبھی خالد جرار کے قصے بیان ہوں؟ کبھی طارق کی یلغار، ایوبی کی غیرت اور ٹیپو سلطان کی شجاعت کی داستانیں نشر کی جائیں[31] ۔ ایسے پروگرام ترتیب دیئے جائیں جن کے مؤثر اثرات کی بدولت

ملک میں باہمی محبت ، بھائی چارے اور ہمدردی کی فضا پروان چڑھے۔ نسلی ، گروہی، اور صوبائی تعصبات کی طرف مائل کرنے والے پروگراموں پر سختی سے پابندی عائد کی جائے اور ایک ہی اسلامی تہذیب و ثقافت کا رنگ نمایاں کیا جائے جو ہمارا اصل اثاثہ ہے اس بات میں کوئی شک نہیں کے میڈیا پر یہودی اجارہ داری کے اثرات ہر جگہ دیکھے جا سکتے ہیں لیکن بحیثیت مسلمان ہمارے سامنے صرف رسولِ اکرم ﷺ کا اسوہ موجود ہونا کافی ہے۔ آپؐ نے شہر مکہ میں رہتے ہوئے جہاں میڈیائی طاقت کافروں کے کنٹرول میں تھی، اپنے مشن کے ساتھ مخلص ہو کر میڈیا کی اس طاقت کو ایسے انداز سے استعمال کیا کہ مکی دورِ حیات ہی میں اسلام کی دعوت پورے خطۂ عرب بلکہ اس سے بھی باہر تک پھیل گئی۔ اس لئے ضروری ہے کہ اسی اسوۂ رسول کو ذہن میں رکھتے ہوئے کام کا آغاز کیا جائے اس کام کے لئے سب سے پہلے تو اپنے نظریے کے ساتھ مخلص ہونے کی ضرورت ہے جس کے لئے اپنے ذاتی مفادات پر اپنے قومی مفاد کو ترجیح دینی ہوگی۔ پھر اپنی کمیوں کوتاہیوں کو قبول کرتے ہوئے ممکنہ وسائل کو بروئے کار لانا ہوگا اور مسائل کے حل کے لئے سوشل میڈیا سمیت ذرائع ابلاغ کے تمام شعبوں میں مثبت اور سود مند پروگراموں کو اسلامی نظامِ حیات کے پیمانوں کے مطابق پیش کیا جائے مقامی، ضلعی، ریاستی، اور ملکی ہر سطح پر لوگوں کو بحیثیت ایک قوم کے منظم و متحد کیا جائے۔

حواشی

1۔(آلِ عمران۔ 110)

1 Āl-e-Imrān110

2۔الحدید ۵۲

2. Al-Hadeed. 52

3۔ التوبہ۔،33

3. At-Tauba .33

4۔ یوسف۔40

4.Al- Yousuf, 40

5۔ آل عمران۔ ۴۵

5. Al-e Imran 45

6-الحج: ۱۴

6. Al-Hajj 14.

7۔ محاضرات شریعت،ڈاکٹر محمود احمد غازی۔ ص۔287

7.Muhazirat-e-Shariat, Doctor Mahmood Ahmad Ghazi, p.287

8. https://www.nawaiwaqt.com.pk/23-Feb-2020/1124458

9۔ندوی،نذرالحفیظ،مولانا،سیکولر میڈیا کا شر انگیز کردار،عوامی میڈیا واچ کمیٹی،لاہور،ص 3

9. .Nadwi,Nazar ul Hafeez, Maulana,Secular Media ka shar Angaiz Kirdar , Awami watch committee, Lahore,

10۔ حضورؐ کی حکمت انقلاب،ص ۴۷۵ 1

10. Huzoor e Akram ki Hikmat e Inqlab, p.475

11. ندوی،نذرالحفیظ،مولانا،سیکولر میڈیا کا شر انگیز کردار،عوامی میڈیا واچ کمیٹی،لاہور،ص 3

11.Nadwi,Nazar ul Hafeez, Maulana,Secular Media ka shar Angaiz Kirdar , Awami watch committee, Lahore, p3

12-ایضاً،ص 15

12.Ibid,p.15

13۔ڈاکٹر محمد امین،اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش،ص 189

13.Doctor Muhammad Amin,Islam aur Tehzeeb E Maghrib ki kashmakash, p.189

14 - سیکولر میڈیا کا شر انگیز کردار،ص،220

I 14. Seculer Media ka Shar Angaiz kirdar,p.220

15۔ بحوالہ وجہۃ الاسلام للمستشرق حبیب،ذرائع ابلاغ

Tehreemtariqewordpress.com/2013/08/07

15. Ba hawala Wajhatul Islam , lilmustashriq Habib, Zaraey Ablagh 07/08/2013

16-ندوی،نذرالحفیظ،مولانا،سیکولر میڈیا کا شر انگیز کردار،عوامی میڈیا واچ کمیٹی،لاہور،ص ۵۱۱

16.Nadwi,Nazar ul Hafeez, Maulana,Secular Media ka shar Angaiz Kirdar , Awami watch committee, Lahore, p. 511

17۔ایضاً،ص 253

17. Ibid ,p. 253

18۔روزنامہ جنگ لاہور 31مارچ 2000ء

18. Daily Jang,Lahore, 31 March,2000 ۔

19. روزنامہ جنگ لاہور 31مارچ 2000

19. Daily Jang,Lahore, 31March,2000

20- سید بریر علی شاہ, https://daleel.pk, 2017/12/20

20. Sayyad Bareer Ali Shah,20/12/2017

21- سورہ التکاثر،1،2

21. Al-Takathur, 1,2

22۔ الجامع الصحیح البخاری ۲:۶۵۹ طبع دہلی

22.Al Jami'Al-Sahi Al-Bukhari, 659:2 printed in Dehli

23- ابن سعد الطبقات الکبریٰ ۱:۱۰۵ طبع بیروت

23. Ibn e saad, Al-Tabqaat al Kubra 105:1 printed in Bairut

24- بی بی سی، میڈیا ایکشن، پالیسی بریفنگ 9#، ستمبر 2013ء "جمہوریت میں شمولیت کی حوصلہ افزائی" ہمایوسف اور ایمرسن شومیکر

24. BBC Media Action, Policy Breafing 9#,September 2013, "Jamhuriat mainShamuliat ki Hosla afzai" Huma Yousaf aur Emerson shoe maker.

25۔ سورہ نور،19

25. Al-Noor ,19

26۔ نظریاتی جنگ کے محاذ، ص32

26. Nazaryati Jang k Mahaz,p.32

27۔ نبی کریم ﷺ بطور ماہر نفسیات، سیدہ سعدیہ غزنوی۔ ص۔63

27. Nabi Karim (SAW) bataur Mahir e Nafsiat, Sayyeda Sadia Ghaznawi,p.63

28۔ رواہ احمد وابوداود ص ۵۷۳

28 . Rawahu Ahmad w abu Daood, p. 573

۔29dailykhabrain.com.pk July 2019

30 - ابن تیمیہ، مجموعہ الفتاویٰ، ۸۲/۱۶-۲۲

30. Ibn e Taimia, Majmua Al Fatawa, 22-16/82

31- ہماری صحافت پر مغربی میڈیا کے زہریلے اثرات chitraltaday.net/july 4, 2017

31. Hamari Sahafat par Magharbi Media k zehrilay asrat , chitraltaday.net/july 4, 2017